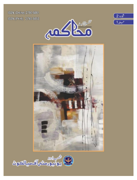

علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ
ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ڈاکٹر غلام شبیر اسد

پی ایچ ڈی اردو، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، جھنگ

تنقید-اصول وماہیت

Criticism: its nature and foundation

Dr Gulam Shabeer Asad. PhD Urdu, AP, GPGC, Jhang

ABSTRACT

Literature is an active enterprise. It is studied through criticism. What is criticism? What is its nature? What function does it perform and to what extent it works are the major questions of every period in history? Many literary theorists have made efforts to form their meanings and philosophy. They also tried to evaluate the status of criticism. This article is an effort to define a relationship among creation, criticism and research

---

حقِ ادب، تنقید سے ادا ہوتا ہے۔ تنقید اپنی اصل میں ایک ایسا اصول ساز، ضابطہ گر، قوی اور بالغ شعور ہے جو ادب کی تشکیل سے تکمیل تک اور تکمیل سے ترسیل تک داخلی اور خارجی سطح پر برابر متحرک رہتا ہے۔ یہ شعور، فکر کی تمام طرفوں کے لیے راہ ساز اور راہ نما ہوتا ہے۔ تنقید و تخلیق کی تقدیمی بحث عبث معلوم ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ تنقید جملہ مراحل و درجاتِ تحریر کو حاوی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو کوئی فکر لکھت تک نہ پہنچے۔ کوئی بھی متن یا فن پارہ بہر حال سیاق و سباق کا حامل ہوتا ہے۔ بعض حضرات اس کا سوانحی و تاریخی پیش و پس دیکھتے ہیں۔ بعض شخصیتی سیاق و سباق دیکھتے ہیں۔ جب کسی متن کا ظہور کبھی بھی اکہرا نہیں ہوتا تو اسے

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اکہری قرأت پر کیوں کر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ اک ضابطہ گر شعور کا حامل ہونا قاری / نقاد کے لیے بے حد ضروری ہے۔ ہر چند تنقید فی نفسہٖ کھرے اور کھوٹے، حسن و قبح، اعلیٰ و ادنیٰ کی بحث کا مادہ رکھتی ہے مگر دوسرے درجہ پر، پہلے درجہ پر تخلیقی مراحل میں غیر مرئی عملی معاونت مسلمہ امر کے مصداق ہے۔ البتہ نظری اعتبار سے قرأتِ ادب کے معیارات بعد میں مقرر، متعین ہوتے ہیں۔ ہر عہد کے ادب کے لیے تنقید نے بھی نظری اعتبار سے ارتقائی صورتیں اختیار کی ہیں۔ جیسے جیسے وسائل ادب اور تقاضائے متن بدلتے رہے ویسے ویسے تنقید نے بھی اپنے تنقیدی حربوں کو بدلا اور زمانی و مکانی حدود کا تعین کیا۔ یہ کبھی شرح تک محدود رہی کبھی تفسیر و تعبیر پر منتج ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ اصلِ تنقید دراصل توفیقِ قاری ہے۔ قاری جس قدر بہ اعتبارِ علم باتوفیق ہو گا اسی قدر تقاضائے قرأت نبھائے گا اور متن کے نادیدہ، خفتہ اور نامعلوم منطقوں کی طرف توجہ دلائے گا متن کی حیرت زا حالتوں و کیفیتوں کو روشن کرے گا۔ متن کی طرفوں، سطحوں، پرتوں، تہوں کو اپنی توفیقِ قرأت کے مطابق اجاگر کرے گا تخلیقِ متن سے تفتیشِ متن تک ضابطہ گر شعور کے زور ور یا کم زور ہونے کا ثبوت ہو گا۔ اردو ادب میں تنقید کا لفظ انگریزی اصطلاح Criticism کے مترادف سمجھا جاتا ہے جو اصل میں غلط العام و عوام فصیح ترین ہے۔ زبانِ عربی میں اس کے برابر "نقد" اور "انتقاد" درست مترادفات ہیں۔ ان دونوں کا لغوی مطلب کھرے، کھوٹے سکوں کا امتیاز کرنا اور اصطلاحاً کلام کے محاسن و معائب کو زیرِ بحث لانا ہے۔ Criticism یونانی لفظ Kritiks سے مشتق ہے۔ لغوی معنی فرق پہچاننا اور حتمی رائے قائم کرنا(to diseern and decide)ہے۔ اصطلاحی مفہوم توضیح و تشریح، تجزیہ، جائزہ اور تعینِ قدر ہے۔ زمانی اعتبار سے لفظ Criticism ساتویں صدی عیسوی میں مروّج ہوا۔ ہر چند لفظ تنقید "نقد" اور "انتقاد" کی معنوی برابری نہیں کر سکتا مگر اسے انہی معنوں میں ہی استعمال کیا جائے گا۔ تنقید کی دو معروف وضعیں عملی اور نظری ہیں۔ اس کی دونوں صورتوں کی ارتقائی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ تنقید اپنی اصل میں نامیاتی عمل کے مصداق اپنے مفاہیم، مقاصد اور طریق ہائے کار بدلتی اور داخلی و خارجی اثرات کو اپنی شرائط پر قبول کرتی رہی ہے مگر کبھی اپنے داخلی نظم و ضبط سے منحرف نہیں ہوئی۔ مختلف متون کے لیے تنقید کی حیثیت "دمِ عیسیٰ" کی مانند تھی، ہے اور رہے گی بھی، جو متون کو بہ طرزِ مسیحائی زندگی سے ہم کنار کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب کا پہلا دستخط ہی تنقید کے دم سے ثبت ہوتا ہے۔ تنقید فن پارے کی حالت سے کیفیت تک، واقعہ سے واقعیت تک، قدرتی سے مصنوعی تک، افقی سے عمودی لرزشوں تک، صوت سے الفاظ تک، الفاظ سے معانی تک، تعقلات سے معروضات تک، حقیقت سے مجاز تک ہمہ دم بر سرِ پیکار رہتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ فن پارہ کبھی بھی سادہ، اکہرا، لسانی یا سماجی مظہر ہر گز نہیں ہوتا بلکہ اس کی بُنت میں متعدد ثقافتی، نفسیاتی، تاریخی، انفرادی، اجتماعی دھارے یک جا ہو کر اسے ایک پیچیدہ علامتی مظہر بناتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی یک طرفہ توجیہہ

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

و توضیح کبھی درست نہیں ہوتی بلکہ تنقید ظہور متن و نظامِ معانی تک رسائی کے لیے مختلف حربے اور وسائل استعمال کرتی ہے۔ تب کہیں جاکر توضیح و تعبیر کے حربے، تخلیقی جوہر اور حسیّت کو حاوی ہوتے ہیں۔

ہر چند ادب کی طرح تنقید کی بھی باضابطہ اور جامع تعریف کا دعویٰ آج تک کسی نے نہیں کیا۔ پھر بھی مدبرین کی مرحلہ وار آراء سے استفادہ کرنا بے جانہ ہو گا۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا میں تنقید کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے:

"مدلل کلام (Reasoned Consideration) اور استدلال (Argumentation
کو تنقید سے موسوم کیا ہے" (1)

غور کیا جائے تو مدلل کلام اور استدلال سے بھی موازنہ، تشریح، تجزیہ اور تعینِ قدر ہی مراد لیے گئے ہیں۔ محی الدین قادری زوؔر میتھیو آرنلڈ کے حوالے سے تنقید کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ہم جس کو جانتے ہیں، جس کا دنیا میں خیال کرسکتے ہیں، ان کو بہترین طریقہ پر معلوم کرنا اور انہی معلومات کے ذریعے شگفتہ اور صحیح خیالات پیدا کرنا تنقید ہے۔ نیز کسی چیز کا اسی حیثیت سے مطالعہ کرنا جو اس کو حاصل ہے تنقید کہلاتا ہے۔" (2)

اردو تنقید کے تین معتبر نام نیاز فتح پوری، کلیم الدین احمد اور وزیر آغا، تنقید کے اصطلاحی اور مرادی معنی اپنے اپنے انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

"فنِ نقد کی تین اغراض ہیں تشریح، حکم اور تعین مراتب" (3)

"تقابل، تجزیہ، فرق و امتیاز اور تعیین قدر و مقام تنقید کے چار پہیے (عناصرِ اربعہ) ہیں" (4)

"تنقید ادب کی تقویم (Evaluation) و تشریح (Analysis) ہے" (5)

پروفیسر جیلانی کامران تنقید کو "ادبی سلوک" اور ایسی تعلیم قرار دیتے ہیں جو آدابِ قرأت ادب سکھاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ادبی سلوک کا نام تنقید ہے یعنی تنقید کی تعلیم ادب تک رسائی حاصل کرنے کے آداب سکھاتی ہے۔ تنقید ادب پارے اور قاری کے درمیان معنوی اور فنی اشتراک کو پیدا کرتی ہے۔" (6)

تنقید کے دائرہ کار اور داخلی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید احتشام حسین لکھتے ہیں کہ تنقید منطق کی طرح ہر علم و فن کی تشکیل و تعمیر میں شریک ہے۔ بلکہ وجدان اور جمال کے جن گوشوں تک منطق کی رسائی نہیں ہے۔ تنقید وہاں پہنچتی ہے رنگ و بو

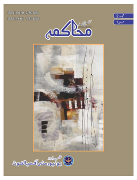

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اور کیف و کم کے غیر متعین دائرہ میں صرف قدم ہی نہیں رکھتی بلکہ ابہام میں توضیح کا جلوہ اور بے تعینی میں تعین کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔(7) تنقید کا دائرہ ہمیشہ وسعت پذیر رہا ہے۔ یہ جملہ علوم اور مختلف شعبہئ ہائے زندگی کو حاوی ہے۔ جس طرح علوم کی کوئی متعین حد نہیں ہے اسی طرح تنقید بھی بے کنار ہے۔ اس کی وسعت انگیزی کا اندازہ کما حقہ' نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی تنقید کے اسی پہلو کو یوں زیر بحث لاتے ہیں:

"تنقید ایک فن بھی ہے اور ایک علم بھی، سائنس بھی ہے اور جمالیات بھی فلسفہ بھی ہے اور نفسیات بھی، تاریخ بھی ہے اور عمرانیات بھی، علم الاقوام بھی ہے اور معاشیات بھی، تہذیب بھی ہے اور سیاسیات بھی، الغرض انسانی زندگی میں جتنے علوم بھی ہیں وہ سب کے مجموعے کا نام ہے"(8)

کھرے اور کھوٹے میں تمیز کا بنیادی تصور قدیم اور محدود ہے۔ اگر اسے جبلت کا زائیدہ قرار دیا جائے تو محض حیوانی عمل بن کے رہ جاتا ہے۔ البتہ جبلت کی یکسر نفی بھی ممکن نہیں ہے۔ اگر تنقید سے ذوق و جمالیات کو منہا کر دیا جائے تو صرف سائنسی یا سماجی علم بن کے رہ جاتی ہے۔ خالی مداحی ہے نہ ہی نری نکتہ چینی ہے۔ اسی لیے وقت کے ساتھ ساتھ تنقید کے مفہوم و مقاصد اور دائرہ میں وسعت پیدا ہوتی رہی بعد ازاں تنقید نے روایتی پیمانوں سے ہٹ کر یہ ذمہ داری قبول کی:

"Literary Criticism is devoted to the comparison and analysis, to the interpretation and evaluation of works of literature(9)"

آلِ احمد سرور، تنقید کی اہمیت، حیثیت اور ذمہ داری درج ذیل بیانات سے واضح کرتے ہیں:

"اچھی تخلیق ایک تنقیدی شعور کے بغیر مقدس آتش خانوں کی آنچ اور مے میں شمشیر کی تیزی پیدا نہیں کر سکتی"(10)

تنقید وضاحت ہے، صراحت ہے، ترجمانی ہے، تفسیر ہے، تشریح ہے، تحلیل ہے، تجزیہ ہے، تنقید قدر ہی نہیں متعین کرتی ہے۔ ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے۔ تنقید انصاف کرتی ہے ادنیٰ اور اعلیٰ جھوٹ اور سچ، پست و بلند کے معیار قائم کرتی ہے۔ ہر دور کی ابدیت اور ابدیت کی عصریت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔(11) دراصل تنقید کا کام عام شعور کو بیدار کرنا ہوتا ہے۔ (12)۔ ملک حسن اختر نے میتھیو آرنلڈ اور ٹی ایس ایلیٹ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے تنقید کی اہمیت، اصل اور بقا کے حوالے یہ موقف اختیار کیا۔

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"ٹی ایس ایلیٹ نے میتھیو آرنلڈ کی طرح تنقید کی مدافعت میں قلم اٹھایا اور اسپیانس کی طرح ناگزیر قرار دیا۔ وہ کہتا ہے تنقید اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک ادب زندہ ہے کیوں کہ دونوں کی بنیاد ایک ہے" (13)

اکابرینِ نقد و نظر کی تنقید کے ضمن میں تعریفات و تصریفات سے متفقہ پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ تنقید کسی سادہ یا یک طرفہ سرگرمی کا نام نہیں بلکہ اس کی وسعت کئی طرح کے وسائل اور قرأت کے حربوں سے ثابت ہوتی ہے۔ تنقید بلاشبہ موازنہ و تجزیہ بھی ہے۔ تقویم و تشریح و تعبیر بھی ہے۔ ادب و نا ادب میں تمیز بھی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تنقید جملہ مراحلِ تخلیق یعنی تشکیل، تکمیل، ترسیل میں داخلی و خارجی سطح پر تخلیق کی راہ نما بھی ہے اور معاون بھی۔ استدلال اس کا بنیادی خاصہ ہے۔ تخلیق اور قاری کے مابین ایک مضبوط رابطہ کار کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے۔ قدریں وضع کرتی ہے۔ ادبی قدروں کی تعین کرتی ہے۔ قرأتِ ادب معروضی اور موضوعی اعتبار سے ممکن بناتی ہے۔ فن پارے کا معیار، ساخت، ہیئت، تکنیک، اسلوب، مزاج سے پردہ اٹھاتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی تنقید کو تفہیمِ ادب کے لیے بنیادی آلہ قرار دیتے ہیں اور تنقید کو بذاتہٖ ادب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ادب کی تفہیم و تشریح اور تحقیق و تجزیہ کے لیے تنقید بنیادی آلہ ہے لیکن اسے محض ادب کا آلہ سمجھنا بھی درست نہیں۔ تنقید کی اپنی اہمیت ہے اور وہ بذاتِ خود ادب بھی ہے۔ تنقید جستجو اور کاوش سے عبارت ہے۔ جس کی تحریک انسان کے فطری ذوقِ جستجو اور نئی باتوں کی دریافت، حصولِ علم اور اپنے تجربات کو بیان کرنے کے جذبے سے ہوتی ہے۔ اس خیال کے پیش نظر میتھیو آرنلڈ تنقید کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"دنیا میں بہتر سے بہتر باتیں سوچی اور معلوم کی گئی ہوں۔ ان کی جستجو کی ایک والہانہ خواہش کا نام تنقید ہے۔ چاہے اس کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو" (14)

اب یہ طے ہوا کہ تنقید ایک نامیاتی عمل کے تحت نشو و نما پاتی رہی ہے۔ اس کے تقاضے ہر عہد میں بدلتے رہے ہیں مگر بنیادی افتاد قائم رہی، تنقید کا اپنا ایک داخلی نظم ہے جو ماحول اور ثقافتی لرزشوں سے پنپتا رہا ہے اور داخلی و متحرک ساخت ہر عہد میں اپنے مقاصد وضع کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اس کی خوئے خوب یہ ہے کہ خوب سے خوب تر کی جستجو پہ قائم ہے۔

انیسویں صدی کے آخر تک بالعموم جو تصورات و نظریاتِ تنقید رائج تھے وہی تنقید کی تاریخ کا پتا دیتے ہیں۔ ارسطو کا نظریہ نقل، سے بیسویں صدی کی ابتدا تک، ادب سماجی قدروں کا اثبات ہے، ادب زندگی کا ترجمان ہے، ادب عکسِ حیات ہے یا مصنف کا اظہارِ ذات ہے، جیسے تصورات مروج تھے اور ادب کے پرکھنے کا معیار بھی یہی تھے۔ فلسفے اور سائنس کے بدلتے نظریات کے سبب سے تنقید کو بھی نئے زاویہ ہائے نگاہ ملے ادب کی نئی سمتوں کی راہ ہموار ہوئی۔ ادب کی ماہیت، ادب سے سماج کے سروکار، مظاہر

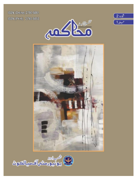

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

فطرت سے ادب اور ادیب کے رشتے کے تصورات بھی ہمہ دم بدلتے رہے۔ اشیاو مظاہر اور ادب کے مابین نئے منہاج وضع ہوئے۔ ایم ایچ ابرامز نے تنقیدی حربوں کی متنوع صورتوں کو ایک خاکہ میں یوں واضح کیا ہے:

کائنات (Universe)۔ فن پارہ (Work)۔ قاری (Audience) فن کار (Artist)(15)

یعنی کائنات (اشیاء و مظاہر) سے ادب اور ادیب کے رشتے کی نوعیت کیا ہے۔ افلاطون اور ارسطو نے فن پارے کو کائنات کی نقل گردانا۔ اس لیے فن پارے کی قرأت کائنات کے زاویے سے کی جاتی رہی۔ نشاۃ ثانیہ سے قبل عہد وسطیٰ تک ادب کے ضمن میں تنقید کا وہی نظریہ رہا جو اشیاو مظاہر کے بارے میں مابعد الطبیعاتی نظریہ تھا یعنی مذہبی تصورِ کائنات کے مماثل تھا اور توضیح کے بجائے تحسین و ستائش پہ استوار تھا۔ اسی لیے عہدِ وسطیٰ میں تنقیدی نظریات کے ضمن میں کوئی خاص کروٹ نظر نہیں آتی۔ البتہ بعد کے عہد میں سائنسی پیش رفت اور نتائجیت پسند نظریہ (Pragmatic Theory) نے ادب کے قاری پر ہر مرتسم اثرات کو اہمیت دی تو سب سے پہلے اس حربے کو لان جائی نس (Longinus)(۲۱۳ء-۲۷۳ء) نے نظریہ ارتقاع میں برتا۔ اسی نظریے نے مظہریاتی، قاری اساس تنقید، مارکسی اور نسوانی تنقید کی راہیں ہموار کیں۔ اظہاری تصورات کا مرکز فن کار رہا جبکہ مذکورہ تصورات کا مرکز قاری رہا۔ ان سب وسائل سے جو اب تک بروئے کار لائے جاتے رہے۔ روسی ہیئت پسندی اور نئی تنقید نے انحراف کیا اور ساری توجہ متن پر صرف کی متن کی لسانی تشکیل میں کارفرما تاریخی، سماجی عوامل اور ثقافتی عناصر کو ترتیب دینے کی کوشش کی۔ ساختیاتی تنقید سے پہلے تنقید جن ضابطوں اور دائروں پر منحصر تھی۔ ڈیوڈ ڈیشز نے انہیں یوں واضح کیا ہے:

"۱۔ وجودیاتی (Ontological) ۲۔ وظائفیاتی (Functional)

۳۔ توضیحی و تشریحی (Deseriptive) ۴۔ اقداری (Normative)

۵۔ تحسینی (Appreciative) ۶۔ نفسیاتی (Psychological)"(16)

یعنی تنقید ادب کے وجود اور ہیئت کو زیر بحث لاتی ہے، ادب کے وظائف اور تاثیر پر بات کرتی ہے، ادب کی توضیح و تشریح کرتی ہے، ادب کو دیگر فنون سے متمیّز کرتی ہے، فن پاروں کے درجات مقرر کر کے تحسین کرتی ہے، ادیب کے نفسی عوامل کو تلاشتی ہے اور پھر اس کے فن پاروں کا معیار مقرر کرتی ہے۔ یہ سب مقدمات ساختیاتی تنقید سے پہلے کے تھے۔ ساختیات نے ان سب کو نہ صرف نشان زد کیا بلکہ یکسر خطِ تنسیخ کھینچ دیا اور تنقید کا سارا منظر نامہ ہی تبدیل کر ڈالا۔ ساختیات نے سوس ماہرِ لسانیات فرڈی نینڈ ڈی سوسیئر کے پیش کردہ لسانی ماڈل سے اخذ و اکتساب کیا۔ سوسیئر کے لسانی ماڈل نے واضح کیا کہ "زبان رشتوں کا ایک نظام ہے۔ اجزائے زبان کی حقیقت اپنی جگہ مگر ان اجزا کے مابین رشتے (جن کی اصل فرق ہے) اصل حقیقت ہے۔ زبان نشانات کے نظام سے عبارت ہے۔ ہر نشان دال (Signifier) اور مدلول (Signified) میں تقسیم ہے۔ مدلول اس شے کا تصور ہے۔ جس

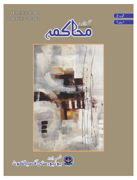

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

کے لیے کوئی نشان وضع کیا جاتا ہے۔ شے کو Referent کہا گیا ہے۔ دال کا مدلول کے ساتھ اور نشان کا دنیا کے ساتھ رشتہ منطقی ہے نہ فطری بلکہ "من مانا" اور ثقافتی ہے۔(17) رولاں بارت نے "لکھت لکھتی ہے لکھاری نہیں" کے ذریعے مصنف کو متن سے یکسر رد کر دیا۔ اس کے مطابق متن مصنف کا مرہونِ منت ہر گز نہیں بلکہ متن کو شعریات مرتب کرتی ہیں جو بذاتِ خود ثقافتی کوڈز اور کنونشنز سے استوار ہوتی ہیں۔ اس لیے معنی کا اکہرا ہونا بعید از قیاس ہے۔ لہٰذا معنی انہدامِ مسلسل کی زد پہ ہوتا ہے اور منہا ہوتا رہتا ہے۔ پرانے کی جگہ نیا معنی لے لیتا اور یہ سلسلہ نہ رکنے والا ہوتا ہے۔ ژاک دریدا کی فکری اٹھان التوائے معانی پر استوار ہوئی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ ہر نئی قرأتِ ادب سیاق و سباق کی تبدیلی کے ساتھ نئے معانی کو منکشف کرتی ہے۔ لہٰذا ہر قرات متن معانی کے نئے جہان کو سامنے لاتی رہتی ہے۔ مابعد جدیدیت کا اعلامیہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی اتھارٹی کو چیلنج کرتی ہے۔ یہاں تک خود اپنے آپ کی بھی مخالف ہے۔ یہ سب زاویہ ہائے نقد اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں مگر کسی ایک نکتہ نظر کی جبریت میں آکر حقِ قرات متن ادا نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ بحث سے یہ امر واضح ہوا کہ کہیں مصنف، کہیں متن، کہیں قاری بہر حال منہا ہوا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے خدشات بھی کچھ اسی طرح کے ہیں جو بہر حال قابلِ غور ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "امتزاجی تنقید کا موقف یہ ہے کہ تخلیق کاری میں مصنف، متن اور قاری تینوں برابر کے حصے دار ہیں۔ ان تینوں میں ایسی Intertextuality ہے۔ جس سے انکار ممکن نہیں۔ امتزاجی تنقید کو ساختیات کے اس نظریے سے اختلاف ہے کہ تخلیق کاری میں مصنف کی حیثیت صفر کے برابر ہوتی ہے۔ ساختیات یہ کہہ رہی تھی کہ مصنف، کہنے کو تو اپنا منفرد وجود رکھتا ہے لیکن دراصل وہ شعریات کے اجزائے ترکیبی کا ہیولا ہے اور تخلیق کاری اصلاً شعریات کی کارکردگی کا نتیجہ ہے۔ یوں گویا ساختیات نے مصنف کی موت کا اعلان کر دیا۔۔۔ شعریات جو ثقافتی کوڈز اور کنونشنز سے عبارت ہے تخلیق کے جوہر کی ضامن ضرور ہے مگر یہ جوہر براہِ راست تخلیق کاری پر منتج نہیں ہوتا! اسے لا محالہ مصنف کے تخلیقی عمل کا محتاج ہونا پڑتا ہے"(18)

ان مفروضات کے پیشِ نظر یہ رائے قائم کرنا قدرے آسان ہے کہ تنقید کے ضمن میں ہر مکتبہ فکر اپنی اپنی نظریاتی نہج اختیار کیے ہوئے ہے۔ تو ایسے میں تنقید کی تعریف اور حدود و مقاصد بھی اپنے اپنے ہی ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ تنقید نامیاتی عمل کے تحت اپنی نشو و نما جاری رکھے ہوئے ہے ہر عہد کے ماحول کی ہر طرح کی لرزشوں سے باخبر ہے اور قراتِ ادب کے لیے فعال کردار ادا کر رہی ہے۔ اس لیے اس کی کوئی جامع اور کامل تعریف مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ لہٰذا تنقید کا ہر وسیلہ و حربہ آپ اپنا

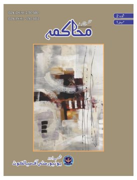

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

تعارف ہے۔ ہر ادبی فن پارہ کثیر المعنیاتی ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تخلیق کار بہ طور شخص تنہا ہوتا ہے مگر شخصیت کے حوالے سے انسانی اور آفاقی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا تخلیق کردہ فن پارہ ہرگز سادہ، یک طرفہ اور اکہرا نہیں ہوتا۔ وجہ یہ کہ تخلیق کار کے نظامِ فکر ترتیب و تہذیب اس میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر کئی متون غیر مرئی طور پر تخلیقی عمل میں کارفرما ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں سماجی، نفسیاتی، آئیڈیالوجی، اسطورہ، ڈسکورس، بیانیے، مہابیانیے بھی کسی نہ کسی طور پر تخلیقی عمل پر اثرانداز ہو رہے ہوتے ہیں۔ بہ ایں وجہ فن پارہ سادہ لسانی مظہر ہونے کے بجائے پیچیدہ اور علامتی مظہر بن جاتا ہے۔ جس کی توضیح، تفسیر اور تعبیر کے لیے نقاد کا متعدد عوامل اور ضابطہ ہائے علوم و تاریخ پر گہری نظر کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ورنہ سادہ تشریحی اور روایتی اندازِ نقد در آئے گا۔ جس کے نتیجے میں تخلیق کی کما حقہ گرہیں نہ کھل سکیں گی۔ عموماً بالائی سطح کے معانی اکہرے اور سپاٹ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ نقاد ادب کی تاریخ و ترفع سے واقف ہو۔ ادبی متن میں بیانیوں کے تحلیل ہونے اور ان کی بازدید و بازیافت کرنے کا ملکہ رکھتا ہو اور خود بہ ذاتہٖ کسی آئیڈیالوجی کی جبریت کی زد پہ نہ ہو نہ ہی مسلک و عقیدے یا یک طرفہ ذوقِ جمال پر یقین رکھتا ہو بلکہ بین الاقوامی ادب کی شعریات کے معیارات سے کامل شناسائی رکھتا ہے۔ بین العلومی مطالعے کا خوگر ہو۔ ہر عہد کی حاوی فکر اور حدود سے آگاہ ہو۔ ادبی محرکات کے ساتھ ساتھ مصنف کے ذہنی اور نفسی محرکات تلاشنے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔ تنقید صرف علم ہی نہیں ایک فن بھی ہے۔ لہٰذا اس فن کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ متن کے سائنسی اور ادبی مطالعات کا ماہر ہو۔ نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذہنی میلانات، نظریات، تعصبات و رجحانات سے خود کو واگزار کرے۔ قراتِ متن کا فریضہ سرانجام دے تبھی وہ فن پارے سے صحیح انصاف کر سکے گا۔ سماجی تقاضے (بہ صورتِ سوال بجا اور بے جا) پورے کرنا نقاد کے بس کی بات نہیں۔ ہر عہد کے جید ناقدین کو ان مسائل و سوالات کا سامنا رہا ہے۔ اس ضمن میں ڈیوڈ ڈیشنز نے توضیح کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> "یہ بجا ہے جیسا کہ کئی جدید ناقدین اصرار کرتے ہیں کہ ادب پارے کے معیار کا فیصلہ مصنف کی زندگی اور زمانے سے متعلق مباحث کی بجائے فقط ادبی بنیادوں پر کیا جانا چاہیے لیکن کئی ایسے ضمنی سوالات ہیں جو غور و تحقیق کا تقاضا کرتے ہیں اور اس وقت سامنے آتے ہیں جب معیار کا سوال اٹھتا ہے اور دانش ورانہ تجسس یا پرجوش ذہن کے حامل نقاد زیادہ دیر ان سوالات پر غور و فکر سے باز نہیں رہ سکتے اور بلاشبہ کئی معیارات ایسے ہیں جو نقاد کے شایانِ شان نہیں"(19)

حقیقت یہ ہے کہ معنی آفرینی کی سرگرمی نقاد کے لیے چیلنج کا درجہ رکھتی ہے۔ تنقید ہرگز سہل نہیں بلکہ نقاد کا امتحان لیتی ہے۔ اگر نقاد تخلیقی صلاحیت سے بہرہ ور نہ ہو تو معنی کی پہلی کھائی میں جا گرے اور اُس پار جانے کی کوئی سبیل ہی نہ کر سکے۔ سنجیدہ

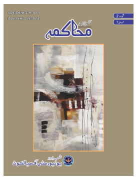

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

قرات(Close Reading) سے متن کے معانی کھلنے کے ساتھ ساتھ تناظراتِ متن بھی بدلتے جاتے ہیں۔اس لیے نقاد کے لیے ضروری ہے کہ ہر تناظر اور ہر سیاق وسباقِ متن سے آگاہ ہو یا آگاہی کی جستجو سے متصف ہو تاکہ متن سے اٹھنے والے ہر معانی پر پوری گرفت ہی نہ دکھائے بلکہ اسے بادلیل بیان کرنے کا ملکہ بھی ہو۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو تو لازم ہے کہ فن پارے کے پہلے، سادہ، اور اکہرے معنی پر اکتفا کر کے مطمئن ہو جائے گا۔ نقاد کا اطمینان تقاضائے شعریاتِ متن کے انشراح کے منافی ہو گا۔وزیر آغا لکھتے ہیں:

"وہ (نقاد) تخلیقی طور پر فعال اور متجسس ہو گا تو پھر اسے ایک کثیر المعنیاتی فضا میں قدم بہ قدم بہت دور تک جانے کا موقع ملے گا اور وہ تصنیف کی کائنات کے اندر سر گرم ہو سکے گا"(20)

وزیر آغا کے مطابق معنی، تناظر سے مشروط ہے۔کوئی بھی اچھی تخلیق اکہرا اور متعین معنی کا تناظر نہیں رکھتی بلکہ اس میں شگاف در شگاف اور تناظر در تناظر ہوتے ہیں جو معانی کے بے کراں سلسلے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تناظر کے تبدیل ہونے پر موجود معنی منہا ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا معنی لے لیتا ہے۔ وہ ژاک دریدا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"تناظر کے بغیر کوئی معنی مرتب نہیں ہو سکتا مگر کوئی تناظر حدود میں مقید نہیں ہوتا۔"

ژاک دریدہ کے اصل الفاظ یوں ہیں:

Meaning is context-bound but context is "
(21)"boundless

حقیقت یہ ہے کہ اچھا نقاد مقلد و پیرو نہیں ہوتا بلکہ راہ ساز و راہ نما ہوتا ہے۔ وہ متن کے جملہ سوالات کو حاوی ہی نہیں ہوتا بلکہ تخلیقی قوت سے نئے سوال بھی قائم کرتا ہے۔ وہ تخلیق کو صرف آہنگ تخلیق پہ نہیں پرکھتا بلکہ فن پارے کو از سرِ نو تخلیق کرتا ہے۔ وہ تخلیق کی پراسراریت سے سحر زدہ نہیں ہوتا بلکہ تخلیقی عمل میں از خود مداخلت کرتا ہے۔ بہ ایں وجہ وہ تخلیق اور قاری میں مضبوط رابطہ کار کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اسی کیفیت کے حسبِ حال جارج واٹسن نے کیا خوب کہا ہے کہ

(22)".The great critics do not contribute; They interrupt"

ترجمہ: "عظیم ناقدین اضافہ نہیں کرتے، مداخلت کرتے ہیں۔"

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ فن پارے کے بطون میں اتر کر نئے جہاں دریافت کرے۔ ادبی معیارات کے ضابطوں، تاریخ، فلسفہ، سائنس، زمان و مکان کی تبدیلیوں، علوم و فنون کی ترقی و تنزل، ہر دل عزیزی اور بے وقعتی، ترمیم و تنسیخ، سماجی اور ثقافتی لرزشوں کو بھی مد نظر رکھے تاکہ معنی کی بجا آوری میں کوئی سقم باقی نہ رہے۔ احتشام حسین نے تخلیق کے محرکات اور نقاد کی ذہنی افتاد کو دو کُرّے قرار دیا ہے اور نقاد کا اس سے کماحقہٗ واقف ہونا ضروری بتایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"نقاد کو فکر کے دو کرّوں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ وہ کرہ جس کی تخلیق ادیب نے کی ہے اور وہ کرہ جس نے نقاد کی نظر بنائی ہے۔ ان دونوں کرّوں کی زندگی، رنگ و روپ اور آب و ہوا میں مماثلت بھی ہو سکتی ہے اور مخالفت بھی، بعد زمانی بھی ہو سکتا ہے اور بعد مکانی بھی، نقاد کا دونوں سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ اس کا فیصلہ یک طرفہ اور غلط نہ ہو" (23)

نقاد کو بالعموم مبلغ و مبصرہ ذہین و فطین، نباض، صلح کن، دور رس اور صاحبِ نظر کہا جاتا رہا ہے۔ معاصر تنقید کے تقاضے مذکورہ صفات سے یک سر الگ اور منفرد ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر معاصر تنقید کے امتیازات (جو دراصل نقاد کی ذمہ داریاں ہیں) کے بارے لکھتے ہیں:

"معاصر تنقید کی امتیازی جہت، اس کا بین العلومی ہونا ہے۔ بین العلومیت ایک اعتبار سے موجودہ زمانے کی 'اے پس ٹیم' کی بھی امتیازی جہت ہے۔ لہٰذا آپ اس وقت تک تنقید سے انصاف نہیں کر سکتے جب تک مختلف علوم کی ممتاز بصیرتوں اور ان کے طریقِ کار کا فہم نہیں رکھتے اور یہ فہم بھی ہونا چاہیے تاکہ بصیرتوں کو ادب کی تعبیر اور تجزیے میں اس طور پر استعمال کیا جا سکے کہ ادب کی بنیادی نہاد بھی قائم رہے اور بصیرتیں بھی مسخ نہ ہوں۔" (24)

ہر چند تنقید کی منصبی حیثیت مسلمہ اور ناگزیر ہے۔ مگر اردو تنقید بے جا تاویلات و تاثرات اور مناصب کی نامناسب عطاؤں نے تنقید کی حقیقی حیثیت کو گہنا دیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ تنقید عملی اعتبار سے روزِ ازل سے بہ سرِ پیکار ہے۔ البتہ اسے نظریاتے ہوئے زمانے لگ گئے۔ کوئی بھی شعبۂ حیات ہو یا شعبۂ علم، اقداری جدلیات کے سبب سے پروان چڑھا۔ کم اچھا معدوم ہوا اور زیادہ اچھا اپنایا گیا۔ اس زیر و زبر کے مابین تمیز و امتیاز کا رویہ دراصل تنقید ہی کے سبب سے تھا۔ ادب چونکہ "پُراسراریت" سے بھرپور ہوتا

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہے۔ اس لیے تنقید اسے پوری طرح سے گرفت میں نہیں لا سکتی۔ لیکن یہ بات تو ثابت ہے کہ تنقید اس غیاب اور اَن دیکھے منطقوں کو سامنے لانے کی کوشش ضرور کرتی ہے۔ اس لیے تنقید کا کردار منفعل نہیں بلکہ فعال ہے۔

"کسی زبان کے بھی ادب کی ترقی یا نشوونما تنقید کے بغیر ممکن نہیں۔۔۔ تخلیقی ادب زندگی کی رہنمائی کرتا ہے اور تنقید، تخلیقی ادب کی" (25)

تنقید آشنائے اسرارِ سخن ہوتی ہے۔ اس کی منصبی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ جملہ وسائل کو بروئے کار لا کر فن پارے کے غیر مرئی یا معدوم حصوں کو واضح کرے اور اس کی دل کشی اور لذت اندوزی کی صراحت کرے۔ تنقید، تخلیق، تخلیقی عمل اور اس کے محرکات کی بازیافت کرتی ہے۔ ایسی تنقید بذاتِ خود تخلیقی ہوتی ہے۔ عام اذہان کی ترتیب و تہذیب کرتی ہے۔ ادب کی طرف راغب کرتی ہے نہ کہ دور، تخلیقی شعور کے درجات کی صراحت کرتی ہے۔ یہ کبھی تنقیص یا خلاصہ نہیں ہوتی بلکہ تخلیق کی حقیقت تک رسائی کی کوشش کرتی ہے۔ آلِ احمد سرور تنقید کے منصب کی یوں توضیح کرتے ہیں:

"بڑی تنقید تخلیقی ادب سے کسی طرح کم تر نہیں ہوتی بلکہ وہ تخلیق ہو جاتی ہے۔۔۔ اچھی تنقید کسی طرح اچھی تخلیق سے کم نہیں بلکہ بعض وجوہ سے اس پر فوقیت رکھتی ہے۔ غرض تنقید کو دوسرے درجے کی چیز سمجھنا ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ اچھی تنقید محض معلومات ہی فراہم نہیں کرتی بلکہ وہ سب کام کرتی ہے جو ایک مؤرخ، ماہرِ نفسیات، ایک شاعر اور ایک پیغمبر کرتا ہے۔ تنقید ذہن میں روشنی کرتی ہے اور یہ روشنی اتنی ضروری ہے کہ بعض اوقات اس کی عدم موجودگی میں تخلیقی جوہر میں کسی شے کی کمی محسوس ہوتی ہے" (26)

آلِ احمد سرور نے تنقید کی ادب پر فوقیت (بوجوہ) کی بات کی اور تنقید کو ایسی روشنی قرار دیا جو بعض اوقات تخلیق کار کے ہاں بھی نہیں ہوتی۔ غور کریں تو حقیقت بھی یہی ہے کیوں کہ تنقید متعدد علوم اور معاصر بصیرتوں کی حامل ہوتی اور تخلیق کا موضوع اور معروضی مطالعہ کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ کثیر الطرفین معلومات کے ہوتے ہوئے بھی ادب کی نہاد اور اپنی افتاد کو برابر مدِ نظر رکھتی ہے اور اس پہلو پر ہمیشہ نظر رکھتی ہے:

"تنقید اور ادب کی بنیاد ایک ہے" (27)

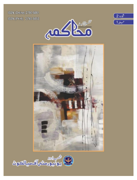

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

جب بنیاد ایک ہے تو تخریب کیسی؟ اس لیے تنقید کا اعلیٰ منصب تعمیر ہے۔ یہ صداقت پر استوار ہوتی ہے۔ منصف مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ زمانی و مکانی تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور سماجی پیش رفت کو مدِ نظر رکھ کر فن پارے کی تفہیم و ترسیل کرتی ہے۔ تنقید کے لیے ضروری ہے کہ وہ تخلیق کی پُراسراریت کو محیط ہو اور فن پارے کو وسیع تناظر میں رکھ کر دیکھنے کی اہل ہو۔ ڈاکٹر وزیر آغا، تخلیق کو عظیم اسرار کا اعلامیہ قرار دیتے ہوئے اس کی پرکھ کے سلسلے میں تنقید سے یہ توقع کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "چوں کہ "عظیم اسرار" کا اعلامیہ ہونے کے کارن ادب بھی داخلی معنویت اور خارجی پیکر میں منقسم نظر آتا ہے۔ لہٰذا اسے پرکھنے کے لیے خود تنقید کا موضوعی اور معروضی زاویوں میں تقسیم ہونا ناگزیر ہے۔ ورنہ جس طرح "عظیم اسرار" بیک وقت ماورا بھی ہے اور حقیقی بھی، اسی طرح ادب بھی ہے، لہٰذا اس کی نہایت کو پانے کے لیے خود تنقید کو بھی اس کی وضع اور نہایت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ ورنہ وہ اس کا احاطہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گی"(28)

تنقید کا تخلیق سے پہلے یا بعد میں ہونے کا سوال، ہر عہد کے اہلِ نظر کے زیر بحث رہا۔ بعض اوقات تو اس کی نزاعی صورتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ بہر حال یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کی وجہ وہ تنقید ہے جو تخلیق کے بعد یا تخلیق پر لکھی جاتی ہے۔ تنقید کی اس صورت نے اسے ذیلی اور فرع کا درجہ دیا ہے اور بعض حضرات تو تنقید کے اسی پہلو پر اس قدر سخت ہیں کہ تنقید کی کوئی دوسری سرگرمی تسلیم ہی نہیں کرتے۔ وجہ ظاہر ہے کہ زمانی طور پر بعد میں ہونے کے سبب سے یہی سمجھا گیا ہے کہ تخلیق کے بعد تنقید ہے۔ یعنی اس کا مرتبہ دوسرے درجے کا ہے۔ یہ ان تخلیق کاروں کا فیصلہ ہو سکتا ہے جو ناقدین کے جرأت مندانہ فیصلوں سے رنجیدہ خاطر ہو کر اعتبارِ مراتب کے معدوم ہونے کے خوف میں یہ کہہ کر (تنقید، تخلیق کی ذیلی شے ہے) آسودگی محسوس کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب مغالطے اور مبالغے کے سوا کچھ نہیں۔ اصل یہ ہے کہ تنقید اور تخلیق کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اٹوٹ رشتہ ہے، تنقید، تخلیق کے تشکیلی مراحل سے تکمیل تک اور پھر تکمیل سے انشراحِ معانی یا ترسیل تک ہمراہ ہوتی ہے۔ اس طرح سے تنقید کے دو پہلو ظاہر ہوتے ہیں۔ داخلی اور خارجی، داخلی تنقید دراصل وہ بالغ شعور ہے جو تخلیقی عمل کے دوران غیر مرئی طور پر جاری و ساری رہتا ہے۔ اسی کے سبب سے تخلیقی خام مواد متشکل ہوتا ہے یا کوئی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ یہ بالغ شعور خاموش ہم سفر کی طرح تخلیقی عمل کے دوران صنفی، اسلوبی، ہیئتی ساخت کے علاوہ ذوقِ جمال کو بھی متشکل کرتا ہے۔ یہ بالغ شعور نجی اور ثقافتی ہوتا ہے۔ اگر اس زاویہ سے دیکھا جائے تو بہ قول ناصر عباس نیّر:

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"تنقید، تخلیق کے پہلو میں نہیں، تخلیق کے رگ و پے میں جاری و ساری ہوتی ہے اور تخلیق و تنقید میں سے کسی ایک کی اولیت اور برتری کا کوئی دعویٰ اصولی طور پر درست نہیں"(29)

تنقید اور تخلیق کے مابین فوقیتی اور اقداری درجہ بندی مناسب نہیں ہے۔ وجہ یہ کہ مذکورہ بحث سے یہ نکتہ بر آمد ہوا ہے کہ ان کے مابین کوئی زمانی بُعد نہیں ہے بلکہ یہ ابتدا سے انتہا تک ایک دوسرے کے ہمراہ ہوتی ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کا الگ الگ تعقلاتی فریم ورک ہے۔ تنقید ایک سماجی سائنس ہے اور یہ اپنے مقدمات کا جواز بھی از خود فراہم کرتی ہے۔ میتھیو آرنلڈ نے ۱۸۶۵ء میں مقالہ "تنقید کا منصب" میں یہ موقف اختیا کیا کہ:

"عظیم ادبی شہ پاروں کی تخلیق کے لیے دو قوتیں ساتھ ساتھ چلنی چاہئیں۔ ایک تو خود تخلیق کرنے والے کی قوت اور ساتھ ساتھ اس "لمحہ کی قوت" جس میں وہ تخلیق وجود میں آرہی ہے۔۔۔ تخلیقی قوت انہی عوامل کی محتاج ہے اور یہ عوامل خود تخلیقی قوت کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہوتے لیکن بر خلاف اس کے یہی عوامل تنقیدی قوت کے قبضۂ قدرت میں ہوتے ہیں۔ تنقیدی قوت کا کام یہ ہے کہ وہ علوم کی تمام شاخوں میں، ہر چیز کے وجود کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ ایک ایسا ذہنی و تخلیقی ماحول پیدا کر دے، حالات کو اس طور پر ساز گار بنا دے، نظام خیال کو اس طور پر مربوط کر دے اور ان رشتوں کو اس طور پر جوڑ کر ہم آہنگ کر دے کہ تخلیقی قوت ان سے پورے طور پر مستفید ہو سکے"(30)

غور کریں تو آرنلڈ کا موقف واضح ہے کہ تنقید، اچھی تخلیق کے لیے ماحول ساز گار بناتی ہے۔ مطلب یہ کہ زمانی اعتبار سے تنقید، تخلیق سے پہلے ہے۔ نارتھ روپ فرائی نے اپنے مقالے "تنقید کا منصب" ۱۹۴۹ء میں یہ موقف پیش کیا کہ تنقید کا منصب ادب کی کلی تفہیم (Total Comprehension) ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب اس Phenomenon کو زیرِ دام کیا جائے۔ جس سے ادبی تخلیقات کا ظہور ہوتا ہے۔ تنقید جب مرکزی تخلیقی نظام کو از سرِ نو مرتب کر لیتی ہے تو گویا وہ اپنی شناخت اور الگ تعقلاتی فریم ورک (Conceptual framework) وضع کر لیتی ہے۔ یہ تنقید کی خود مکتفی قدر ہوتی ہے جو طفیلیہ یا مستعار نہیں ہوتی۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ تنقید ایک الگ شعبہ علم کے طور پر تخلیق سے مقدم ہے۔ فوقیتی درجہ بندی کے حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے تین سوال قائم کیے ہیں جو تنقید کو تخلیق کا حاصل ثابت کرتے ہیں۔ تنقید تخلیق سے کم تر ہے، تنقید تخلیق کی

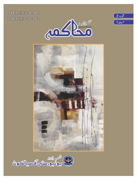

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

معاون ہے، تنقید تخلیق کی ہم پلہ ہے۔۔۔ تنقید کو تخلیق پر قیاس کرنے کا نتیجہ کیا ہے؟۔۔۔ ان آراء اور سوالات کے جواب میں لکھتے ہیں:

"تخلیق کو ایک ایسی سرگرمی کہا گیا ہے۔ جو ہر چند تخیلی ہے مگر برابر دنیا سے متعلق رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تخلیق دنیا کی تخیلی ترجمانی کرتی ہے۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی حقیقت ایک آزاد وجود رکھتی ہے۔ تخلیق اسے مخصوص تخیلاتی عمل سے گزار کر پیش کرتی ہے۔ جب تنقید، تخلیق کی صورت پر اپنا قیاس کرتی ہے (یا کرنے پر مجبور ہوتی ہے) ہے تو وہ تخلیق سے وہی رشتہ قائم کرتی ہے جو تخلیق نے دنیا سے قائم کر رکھا ہے یعنی تخلیق کی "آزاد حقیقت" کی ترجمانی کرنا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ تخلیق تخیلی ترجمانی کرتی ہے جبکہ تنقید ترجمانی کے لیے توضیحی، تجزیاتی یا تعبیری اسلوب اختیار کرتی ہے"(31)

ناصر عباس نیر کے مطابق ہر چند تنقید، تخلیق سے الگ اور جداگانہ ڈسپلن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ مگر اس سبب سے تخلیق سے جدا نہیں ہوتی بلکہ ہم رشتہ رہتی ہے۔ لہٰذا تخلیق و تنقید نظریاتی اعتبار سے الگ الگ شعبہ علم ہونے کے باوصف ایک دوسرے سے جدا ہیں نہ ہی ایک دوسرے پر مقدم بلکہ بہم ہیں۔ مجنوں گورکھ پوری نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا ہے کہ تنقید کے بغیر تخلیق کا امکان نہیں، لکھتے ہیں:

"تخلیق بغیر تنقید کے ممکن نہیں"(32)

ایتلاف و اختلاف مابین تحقیق و تنقید کا موضوع اکابرینِ ادب میں زیر بحث رہا ہے۔ جس کی وجہ حقائق سے صرفِ نظر اور ذاتی پسند وناپسند پر ایمان کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بلاشبہ نظری اعتبار سے تحقیق و تنقید مختلف النوع علوم ہیں اور الگ الگ منشور رکھتے ہیں مگر اطلاقی دائرہ کار میں باہم ناگزیر، اٹل واٹوٹ ہم رشتگی و وابستگی سے عبارت ہیں۔ جنہیں کسی بھی سطح پر الگ کر کے سمجھنا ادق ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ بہ ظاہر ان کے دائرہ کار الگ الگ ہیں۔ مگر بہ باطن ہم سفر اور متعدد باہمی انسلاکات کے حامل ہیں۔ اکابرینِ ادب بالخصوص محمد احسن فاروقی ان میں معاندت اور مخاصمت کے رویے کو اجاگر، ان کی اقداری اور فوقیتی درجہ بندی کو ہوا دینے کی کوشش کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ تحقیق و تنقید کے لیے بالترتیب "مغزِ سگاں" اور "مغزِ شاہاں" کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

"تحقیق کے لیے مغز سگاں کی ضرورت ہے جبکہ مغزِ شاہاں درکار ہے"(33)

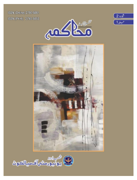

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

تحقیق کو تنقید پر یا تنقید کو تحقیق پر قیاس کرنا جلد بازی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق و تنقید کو اگر ایک 'کل' گردانا جائے جو اپنی اصل میں تکمیلیت کا دعوے دار ہو تب بھی ان کے اجزا ایک دوسرے میں پیوست نظر آئیں گے۔ ان ہر دو شعبۂ علم میں اصل و فرع اور متن و حاشیے کی تفریق روا نہیں ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ہم پلہ، ہم رکاب، معاون اور مددگار ہیں۔ ان کی روح ایک دوسرے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

تحقیق و تنقید کی باہمی آمیزش کے ضمن میں فرمان فتح پوری نے یوں توضیح کی ہے کہ تحقیق و تنقید میں بہ اعتبارِ معنی کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ تحقیق کے معنی "حق کی تلاش و تصدیق" کے ہیں تنقید کا لفظ بھی کم و بیش یہی معنی دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "جب تک وثوق سے یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی ادب پارہ کس کی تخلیق ہے۔ کب اور کن حالات میں وجود میں آیا ہے اور جس زبان سے اس کا تعلق ہے۔ اس میں زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت کے کیا اصول ہیں۔ اس وقت تک تنقید کا قدم آگے نہیں بڑھ سکتا اور اگر اسے قدم آگے بڑھانا ہے تو تحقیق کا سہارا لینا ہو گا۔ یہی حال تحقیق کا ہے۔ تنقیدی شعور سے بے نیاز رہ کر وہ اپنی ادبی اہمیت نہیں منوا سکتی"(34)

حقیقت بھی یہی ہے کہ تحقیق فن پارے کی اصل حالت کو اجاگر کر کے سچائی کی معراج کرتی ہے جبکہ تنقید اس کی تعین قدر کے ساتھ جملہ معروضات کو طشت از بام کرتی ہے۔ البتہ تحقیق کے نتائج ٹھوس اور اٹل ہوتے ہیں جبکہ تنقید، تفسیر و تعبیر کے ذریعے استخراج نتائج کرتی ہے۔ یہ پہلو بھی ان کے مابین مغائرت و معاندت کا سبب نہیں ہے۔ اگر ایسا سمجھا جاتا ہے تو یہ فہم کا نقص ہے۔ اصل یہ ہے کہ اچھا محقق، اچھا نقاد اور اچھا نقاد، اچھا محقق ہوتا ہے مگر ڈاکٹر نجم الاسلام اس حقیقت سے انحراف یوں کرتے ہیں:

> "ایک چند نقاد اور جغادری محقق کے مابین موافقت کا امکان نہایت بعید ہے"(35)

حقیقت یہ ہے کہ تنقید کے بغیر تحقیق استخراجِ نتائج سے عاری رہے گی بالکل اسی طرح تنقید بھی بغیر تحقیق کے برابر ٹھوکریں کھا سکتی ہے۔ ان دونوں کے مابین فوقیتی درجہ بندی مناسب نہیں ہے۔ حالانکہ کلیم الدین احمد تنقید کو تحقیق پر فوقیت دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "تنقید تحقیق سے قدر و قیمت میں زیادہ ہے۔۔۔ عموماً تحقیق کو ایک علیحدہ فن یا علم خیال کیا جاتا ہے اور اس کو تنقید سے بھی اونچی جگہ دی جاتی ہے اور لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ

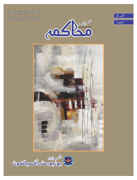

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

تحقیق کو تنقید سے الگ کر دیا جائے تو اس کی حالت اس گم کردہ راہ کی ہوگی جو کسی صحرا میں بھٹکتا پھرے اور جس کو اس کی خبر نہ ہو کہ وہ بھٹک رہا ہے"(36)

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے تحقیق و تنقید کے دائرہ ہائے کار الگ الگ بتائے ہیں مگر بعض معاملات میں ہم قدم قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"کیا تنقید کی وہ جستجو جو مواد کے حسن و قبح کے سلسلے میں ہوتی ہے تحقیق سے کبھی بے نیاز ہو سکتی ہے؟"(37)

تنقید، شرح و تعبیر اساس ہے جبکہ تحقیق حقائق کی بازیافت کو مطمحِ نظر بناتی ہے۔ دونوں کے سامنے مقاصد بلاشبہ الگ الگ ہیں۔ مگر دائرہ عمل کئی حوالوں سے ایک جیسا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر خلیق انجم نے ان دونوں کی آمیزش کے سبب "متنی تنقید" کی اصطلاح وضع کی جو لفظی معنی میں تنقید کا کوئی حربہ لگتی ہے لیکن اصطلاحی معنی میں تحقیق کا ایک وسیلہ ہے اسی لیے ان کے مابین فوقیتی ترتیب یا اولیت و ثنویت انتہائی غیر مناسب ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا تحقیقی و تنقیدی عمل کے دوران بعض مشترکہ عناصر کی موجودگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور دونوں کا ایک دوسرے پر منحصر ثابت کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ہر اچھی تحقیق میں تنقید مضمر ہوتی ہے اور اسی طرح ہر عمدہ تنقید میں تحقیق کے عناصر موجود ہوتے ہیں۔ تحقیق کا کام ہے جستجو اور تنقید کا کام ہے استخراج اور انکشاف۔ ہر اچھا محقق یا نقاد بیک وقت جستجو اور انکشاف کے مراحل سے گزرتا ہے اور ان دونوں کی یکجائی کا منظر دکھاتا ہے۔۔۔ اصلاً تنقید کے تین مراحل ہیں۔ تلاش، تجزیہ اور انکشاف! تلاش کا حصہ تحقیق کے زمرے میں آتا ہے۔ تجزیہ میں تحقیق اور تنقید دونوں حصہ لیتی ہیں اور انکشاف یا استخراج ایک خالص تنقید عمل ہے۔ جب کوئی ان تینوں مراحل سے گزرنے میں کامیابی حاصل کرتا ہے تو اس کی تحریر مثالی حیثیت اختیار کرتی ہے"(38)

الغرض تنقید تشکیلِ متن کی اصول سازی سے لے کر تکمیل و ترسیل کے جملہ مراحل میں تخلیق و تحقیق سے برابر ہم رشتہ اور ہم سفر رہتی ہے بلکہ ہر مرحلے پر رگ و پے سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔ اس لیے تنقید، تخلیق اور تحقیق کی شعبہ جاتی تفریق تو کی جا سکتی ہے لیکن ان کی اقداری، فوقیتی درجہ بندی اور ایک کو دوسرے کے بہ منزلہ قرار دینا قرینِ قیاس نہیں ہے اور نہ ہی مناسب ہے۔ یہ شعبہ ہائے علم جس قدر بہ ظاہر خود مکتفی نظر آتے ہیں اُتنے ہی بہ باطن ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔

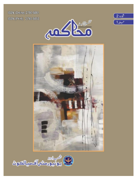

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حوالہ جات

1- The new encyelopaedia Britanica, volio, London, William baraton, 1982, P: 1037

2- بحوالہ: رُوحِ تنقید، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، لاہور: مکتبہ معین الادب، ۱۹۵۵ء، ص:۴۱

3- نیاز فتح پوری، ادبیات اور اصولِ نقد، مشمولہ: تنقیدی نظریات (مرتبہ) احتشام حسین، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، س۔ن، ص:۵۲

4- کلیم الدین احمد، تنقید اور ادبی تنقید، مشمولہ: تنقیدی نظریات، مرتبہ: سیّد احتشام حسین، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، س ن، ص ۱۰۷

5- وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید اردو تنقید، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۹ء، ص:۱۸

6- جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس نظر، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۶ء، ص:۲۱

7- احتشام حسین، سیّد، تنقیدی نظریات، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، س۔ن، ص:۱۶۔۱۷

8- تنقیدی تجربے، ڈاکٹر عبادت بریلوی، مشمولہ: اُردو دنیا، لاہور: ۱۹۵۹ء، ص:۱۵

9- Dictionary o Literary Terms & Literary Theories by J.A Guddon, London: Penguin, 1994, P: 707

10- آل احمد سرور، پروفیسر، میرا ادبی نظریہ، مشمولہ: سب رس، ماہنامہ، حیدر آباد، انڈیا فروری، ۲۰۰۲ء، ص:۵

11- آل احمد سرور، تنقید کیا ہے، مشمولہ: تنقیدی نظریات، مرتبہ: سیّد احتشام حسین، ص:۲۴۹

12- آل احمد سرور، ادب اور نظریہ، لکھنؤ: ۱۹۵۴ء، ص:۷

13- ملک حسن اختر، تنقیدی نظریے، لاہور: جدید بک ڈپو، نومبر ۱۹۶۶ء، ص:۱۸۵،۱۸۴

14- عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقاء، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۱ء، ص:۵۴

15- Dictionary of literary terms (By martin Gray), New York: Longman, 1994, P:76

16- David daiches, critical approaches to literatures, New york: Longman, 1981, P:94

17- Ferdinand de Savssure, The object of study in modern criticism and theory Edited by David Lodge, New youk: Longman: 1988, P: 5.6

18- وزیر آغا، تنقیدی تھیوری کے سو سال، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۱۹۰

19- David Daiches, Critical Approaches to Literature, Kolkatta: Orient Longman, 2005, P:175

ISSN (Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

20۔ وزیر آغا، تنقیدی تھیوری کے سو سال، ص:۳۰

21۔ ایضاً، ص:۲۰

22۔ George Watson, The Literary Critics, London: Penguin books 1964, P: 11

23۔ احتشام حسین، سیّد، تنقیدی نظریات، ص:۱۹

24۔ ناصر عباس نیر ڈاکٹر، لسانیات اور تنقید، اسلام آباد: پورب اکادمی، جنوری ۲۰۰۹ء، ص:۷

25۔ محمد افضل خان چودھری، فن تنقید اور تنقیدیں، لاہور: مکتبہ عالیہ، س۔ن، ص:۱۲،۱۱

26۔ آل احمد سرور، تنقید کیا ہے؟ مشمولہ: "شعور تنقید"، مرتبہ: سید اصغر علی شاہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۶ء، ص:۳۲،۳۱

27۔ ملک حسن اختر، تنقیدی نظریے، لاہور: جدید بک ڈپو، نومبر ۱۹۶۶ء، ص:ہ (حرفِ آغاز)

28۔ وزیر آغا، تنقید اور جدید اور تنقید، کراچی پاکستان: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۹ء، ص:۲۳

29۔ ناصر عباس نیر، تنقید کیا ہے؟، مشمولہ: ادبیات، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، شمارہ: ۶۲، ۲۰۰۳ء، ص:۱۲۴

30۔ جمیل جالبی ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع ہفتم، ۲۰۰۳ء، ص:۳۴۹،۳۴۸

31۔ ناصر عباس نیر، جدید اور مابعد جدید تنقید، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵

32۔ احتشام حسین، تنقیدی نظریات، ص:۱۵۴

33۔ شارب ردولوی، ڈاکٹر، تحقیق میں تنقید کی اہمیت، مشمولہ: تحقیق شناسی، مرتبہ: رفاقت علی شاہد، لاہور، القمر انٹر پرائزر، ۲۰۰۳ء، ص:۱۰۸

34۔ فرمان فتح پوری، تحقیق و تنقید، کراچی: ماڈرن پبلشر، ۱۹۶۳ء، ص:۸،۷

35۔ ڈاکٹر نجم الاسلام، روداد سیمینار، اصولِ تحقیق، مرتبہ: اعجاز راہی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص:۱۴

36۔ کلیم الدین احمد، اردو تنقید پر ایک نظر، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۲ء، ص:۱۰۲

37۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، تحقیق و تنقید، مشمولہ: تحقیق شناسی، ص:۱۰۰

38۔ وزیر آغار، ڈاکٹر، روداد سیمینار، اصولِ تحقیق، مرتبہ: اعجاز راہی، ص ۱۲۲،۱۲۱